بسم الله الرحمن الرحیم

اداریہ

جناب خالد مسعود مرحوم کی قرآنی خدمات

ظفر الاسلام اصلاحی

موجودہ دور کو علمی انقلاب اور اطلاعاتی فشار کا زمانہ کہا جاتا ہے مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وتالیف کی سرگرمیاں عروج پر ہیں، علم کی ایک دو نہیں ہزاروں شاخیں وجود میں آ گئی ہیں۔ جدید تعلیم کے میدان میں مقابلہ کی فضا دن بہ دن پروان چڑھتی جا رہی ہے۔ ذرائع ابلاغ اس تیزی سے ترقی کر رہے ہیں کہ اس کی رفتار کا اندازہ کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ اس صورتحال میں وہ شخصیات بڑی قابل قدر ہیں جن کی علمی مصروفیات کا مرکز قرآن کریم ہے اور جن کی زندگیاں علم دین کی خدمت کے لئے وقف ہیں اور اگر اس کے ساتھ کسی کی روزمرہ زندگی قرآن وسنت کے مطابق بسر ہو جائے تو اس کا مرتبہ اور بلند ہو جاتا ہے اور اس کی قدر و قیمت مزید بڑھ جاتی ہے۔ جناب خالد مسعود صاحب ایسے ہی باعمل علماء دین اور صاحب کردار اسکالرس میں سے تھے جو یکم اکتوبر ۲۰۰۳ء کو وفات پا گئے (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون)۔ واقعہ ہے کہ آج کے دور میں علم دین کے ماہرین اور علوم اسلامیہ کے محققین و اسکالرس تو بہت ملتے ہیں، لیکن علم وعمل، علم واخلاق، علم وانکساری، علم و بے نیازی میں امتزاج کا مظاہرہ کرنے والے کم ہی نظر آتے ہیں۔

علم دین بالخصوص قرآن کریم سے جناب خالد مسعود صاحب کا گہرا تعلق جس پس منظر میں قایم ہوا وہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مرحوم بنیادی طور پر جدید تعلیم یافتہ (اسلامیہ کالج لاہور سے بی ایس سی، پنجاب یونیورسٹی سے کیمسٹری میں ایم ایس سی اور کنگز کالج، لندن سے کیمیکل انجینیر نگ میں ڈپلوما ہولڈر) تھے اور ان کی عملی زندگی کا

آغاز انڈسنٹریل ریسرچ لیبارٹریز، لاہور کی سروس سے ہوا۔ اس کے بعد کی زندگی میں جس طرح انہماک کے ساتھ وہ علوم اسلامیہ کے اکتساب میں مصروف ہوئے اور عربی وفارسی زبان وادب، قرآن وحدیث ودیگر دینی علوم کے ماہر بن گئے اس میں ان کے استاد گرامی مولانا امین احسن اصلاحیؒ (۱۹۰۴ء۔ ۱۹۹۸ء) کا کلیدی رول رہا ہے۔ بلاشبہ مرحوم ایک دینی گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے، بچپن سے انھیں عربی پڑھنے کا شوق تھا۔ ابتدا سے ہی وہ دینی ذہن رکھتے تھے، طالب علمی کے دوران وہ اسلامی جمعیۃ طلبہ سے منسلک ہوئے اور ۱۹۵۶ء میں اس کے ناظم منتخب ہوئے۔ لندن میں کیمیکل انجینئر نگ سے ڈپلومہ کرتے ہوئے انھوں نے یو۔ کے اسلامک مشن قایم کیا اور اس کے اولین صدر بھی ہے۔ بعد میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے اسلامیات میں ایم۔ اے بھی کیا لیکن اصلاً جس واقعہ نے ان کی زندگی کے رخ کو موڑا، علم دین کی طلب کو شدید سے شدید تر کیا، قرآن کریم سے والہانہ لگاؤ پیدا کیا اور خدمت دین کے جذبہ کو پروان چڑھایا وہ مولانا اصلاحی کے درس یا لکچر سے متاثر ہونا اور ان کی شاگردی وصحبت اختیار کرنا تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۵۸ء سے شروع ہوا اور استاد مکرم کے آخر حیات تک جاری رہا۔ اس واقعہ کی اہمیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سائنسی علوم سے بہرہ ور ہونے اور سائنس کے ایک شعبہ میں ملازمت اختیار کرنے کے بعد ان میں مولانا اصلاحی کی تربیت وصحبت کے زیر اثر فہم قرآن کا ایسا ذوق وشوق پیدا ہوا کہ بڑھتا ہی چلا گیا اور علم دین بالخصوص قرآن کی خدمت کا ایسا سودا سر میں سمایا کہ پھر زندگی بھر نکلا ہی نہیں۔ اس انقلابی واقعہ کی ایک دل نشیں تعبیر مولانا اصلاحی کے شاگرد، مرحوم کے قریبی رفیق اور ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے ممتاز رکن جناب محبوب سبحانی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

''مولانا نے اپنے ہونہار شاگرد کے ذوق وشوق کو دیکھ کر تدبر قرآن پر غور کرنے کے وہ تمام طریقے سکھائے جو انھوں نے اپنے استاد مولانا حمید الدین فراہیؒ سے سیکھے تھے۔ انہوں نے اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تہجد کے وقت فراہیؒ اور اصلاحیؒ کے اصولوں کی روشنی میں قرآن مجید پر غور وفکر کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ

ان پر اسرار کھلنے لگے۔ رموز کتاب سے آشنائی ہونے لگی اور کتاب کے ''الکتاب'' ہونے پر یقین بڑھتا گیا۔ اس کی لذت اور حلاوت سے روشناس ہوئے جو رفتہ رفتہ ان کے رگ وپے میں سرایت کر گیا۔ اس لذت سے انہیں ایسا سرور حاصل ہوا پھر کسی چیز میں مزانہ رہا۔ ایسا نشہ طاری ہوا جس سے وہ عمر بھر سرشار رہے۔ سر میں ایسا سودا سمایا کہ قرآنی علوم کے علاوہ اور کسی چیز میں دل نہ لگا'' (تدبر، ستمبر ۲۰۰۳ء ص ۳)

اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے ان کی شدت طلب، علم قرآن کا بڑھتا ہوا شوق اور خدمت دین کا ابھرتا ہوا جذبہ دیکھ کر ان کی تعلیم و تربیت میں خصوصی دلچسپی لی، انھیں اپنا تلمیذ خاص بنایا اور پھر ان کے لئے اپنی متاع بے بہا (علم قرآن) قربان کردی، مولانا نے انھیں عربی زبان سکھائی، قرآن وحدیث کی تعلیم دی، تفقہ فی الدین کے رموز منکشف کیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم وحدیث نبویؐ سے انکا تعلق ایسا مضبوط کیا کہ یہی علوم ان کی مصروفیات کا مرکز بن گئے۔ دوسری جانب سعادت مند شاگرد نے استاد کی تقریباً چالیس سالہ (۱۹۵۸۔۱۹۹۸ء) صحبت ورفاقت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس طویل عرصہ میں ان سے اخذ واستفادہ کا کوئی موقع ضائع نہ کیا اور حلقۂ تدبر قرآن وادارہ تدبر قرآن وحدیث اور رسالہ تدبر کے کاموں میں ان کی معاونت، فکر فراہی کی ترویج اور خود اپنے استاد کے افکار ونگارشات کی اشاعت کو وجہِ سعادت سمجھا۔ درحقیقت مرحوم مولانا اصلاحی کے نہ صرف انتہائی قریبی بلکہ معتمد علیہ شاگرد تھے۔ مولانا ذاتی وعلمی ہر معاملہ میں ان پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ تفسیر لکھنے یا دوسرے علمی کاموں کے دوران مواد کی فراہمی وحوالوں کی تلاش میں وہ ان سے مدد لیتے، مولانا کی ہدایت پر وہ ان کی جانب سے خطوط کا جواب دیتے اور ان سب سے اہم یہ کہ انھوں نے اپنے استاد مکرم مولانا حمید الدین فراہی (۱۸۶۲۔۱۹۳۰) کی علمی میراث بالخصوص قرآنیات پر ان کے قیمتی مسودات ان کے سپرد کردیے۔ نوجوانوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے مولانا نے جب ۱۹۶۱ء میں '' حلقہ تدبر قرآن'' قایم کیا تو جناب خالد مسعود صاحب اس کے روح رواں ہوگئے۔ ۱۹۸۰ء میں جب اس نے ادارہ تدبر قرآن وحدیث کی صورت اختیار کی تو اس کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے میں وہ

مولانا کے معاون خاص رہے۔ ۱۹۸۱ء میں جب اس ادارہ کے ترجمان رسالہ ''تدبر'' کا اجراء عمل میں آیا تو اس کی ترتیب واشاعت میں مولانا کی معاونت کا شرف انہیں حاصل ہوا اور اس کے تقریباً ایک برس بعد باقاعدہ اس کی ادارت کی ذمہ داری ان کے سپرد ہوگئی۔ آخرِ عمر میں مولانا اصلاحی جب علالت کے باعث درس قرآن سے معذور ہو گئے تو اس نیک سلسلہ کو جاری رکھنے کی خدمت بھی ان کے انہی لایق شاگرد نے انجام دی۔ مزید براں جناب خالد مسعود صاحب نے اپنے استاد کی کتب ومضامین کی ترتیب وتلخیص اور ان کے دروس وخطبات کی تدوین واشاعت کے کام کو جس جانفشانی وخوش اسلوبی سے انجام دیا اس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اس طرح مولانا اصلاحی کے معتمد علیہ شاگرد کی حیثیت سے جناب خالد مسعود کا مرتبہ ومقام بہت بلند ہے۔ مولانا کے ایک دوسرے ممتاز شاگرد اور مرحوم کے رفیق جاوید احمد غامدی صاحب نے ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بجا فرمایا ہے کہ ''اگر کوئی شخص استاد گرامی کے ذاتی وعلمی دونوں طرح کے معاملات میں سب سے زیادہ قابل اعتماد تھا تو وہ خالد مسعود ہی تھے۔'' (اشراق، نومبر ۲۰۰۳ء ص ۵۳)۔ استاد سے اس گہرے تعلق اور ان کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر دینے کو بعض حضرات نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ ''وہ اپنے شیخ میں فنا ہو چکے تھے'' اور بعض مشاہدین نے یہ تاثر ظاہر کیا ہے کہ ''استاد کی شخصیت میں گم ایسے شاگرد دنیا نے کم ہی دیکھے ہوں گے'' واقعہ یہ کہ مولانا اصلاحی سے جناب خالد مسعود صاحب کی دلی وابستگی وشیفتگی کسی شخص پہلو یا ذاتی مقصد سے نہیں تھی بلکہ اس کتاب عزیز وعظیم کی بنیاد پر تھی جس میں غور وفکر، جس کے معنی ومفہوم کی وضاحت اور جس کی فکر کی اشاعت استاد کی زندگی کا مشن یا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ مرحوم کی بھانجی ڈاکٹر ام کلثوم صاحبہ نے اپنے ماموں کی شخصیت کے نمایاں پہلو واضح کرتے ہوئے صحیح عکاسی کی ہے کہ ''وہ فنا فی القرآن شخص تھے'' (اشراق، نومبر ۲۰۰۳ء ص ۶۵) درحقیقت خالد مسعود صاحب کے فنا فی القرآن ہونے کا سلسلہ اس انقلابی فکر سے ملتا ہے جو استاذ الاساتذہ (مولانا فراہی) کی دین تھی اور جس کے امین خود ان کے استاد مولانا امین احسن اصلاحی بنے اور پھر اسی امانت کو انھوں نے اپنے مختلف شاگردوں

کے سپرد کیا جن میں جناب خالد مسعود صاحب ایک امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔ وہ انقلابی فکر کیا ہے اس کی تشریح خود مرحوم نے اپنے مضمون ''فکر فراہی'' (تدبر، دسمبر ۱۹۸۷ء ص ۴) میں ان الفاظ میں کی ہے۔

''مولانا فراہی نے جو فکر دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے دوسری ہر چیز پر حاکم ہے لہذا دوسرے تمام علوم قرآن کے تابع ہیں وہ علم جس کا تعلق قرآن کے موضوع سے ہے اس سے مستنبط ہونا چاہئے۔ اس کی بنیادیں قرآن کی دی ہوئی ہدایت پر استوار ہونی چاہئیں۔ چنانچہ فقہ ہو یا کلام، فلسفہ ہو یا دوسرے عمرانی علوم مولانا فراہی ہر علم کو اس بنیاد پر جانچتے ہیں جو قرآن مجید نے مہیا کی ہے''

گویا کہ اس فکر کا ماحصل یہ ہے کہ تمام علوم میں قرآن کو مرکزی حیثیت دی جائے اس طور پر کہ تمام علوم اس کی رہنمائی میں سیکھے وسکھائے جائیں اور پھر حاصل کردہ علوم کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ علم قرآن کے خادم بن جائیں۔ سچ بات یہ ہے کہ مولانا فراہی نے نہ صرف یہ تصور دیا کہ قرآن کو ہمارے علم کا محور بننا چاہئے بلکہ وہ اس فکر کے بھی علم بردار تھے کہ قرآن ہی کو ہم اپنے عمل کا محور بھی بنائیں جیسا کہ انھوں نے اپنے طرز عمل سے اس کا واضح ثبوت پیش کیا۔ اس فکر کے انقلابی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ''اشراق'' (لاہور) کے فاضل مدیر جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے مولانا فراہیؒ کی جانب سے اس فکر کو پیش کرنے اور اسے برتنے کو بجا طور پر ''جدید ہندوستان کا ایک غیر معمولی واقعہ'' قرار دیا ہے (اشراق، نومبر ۲۰۰۳ء ص ۵۲) جناب خالد مسعود صاحب نے اس فکر کو (جو انھیں اپنے استاد سے ملی تھی) فروغ دیا اور اپنی علمی وعملی زندگی میں اسے زندہ وتابندہ رکھا۔ گرچہ انہوں نے مولانا فراہی کے سامنے زانوئے تلمذ نہیں تہ کیا اور نہ ان کے وضع کردہ نہج پر چلنے والے مشہور تعلیمی مرکز مدرستہ الاصلاح (سرائے میر، اعظم گڈھ) میں تعلیم حاصل کی لیکن ان کی تحریر، انداز بیان وطرز عمل دیکھ کر شاید ہی کوئی اس سے انکار کرے کہ وہ دبستان فراہی کے خوشہ چیں اور مدرستہ الاصلاح کے باقاعدہ طالب علم رہے ہیں۔ درحقیقت مولانا فراہی کے تلمیذ خاص مولانا اصلاحی کی شاگردی اور ان کی طویل رفاقت نے ان پر ایسا رنگ چڑھا دیا کہ وہ مکتبہ فراہی کے ایک

ممتاز رکن اور فکر فراہی کے معروف ترجمان وشارح بن گئے۔

جناب خالد مسعود صاحب کے علمی کاموں کو عام طور پر دو حصوں (مولانا فراہی ومولانا اصلاحی کی کتب ورسائل کی ترتیب وتدوین، تلخیص وترجمہ اور طبع زاد تحریروں) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ علمی ودینی اعتبار سے دونوں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ مرحوم کے تصنیفی وتالیفی کارناموں کے ضمن میں یہ بات خصوصی ذکر کی مستحق ہے کہ انھوں نے اپنے استاد کے ساتھ استاذ الاساتذہ مولانا فراہی کی بعض کتب ورسائل کی ترتیب وترجمہ اور ان کے افکار کی اشاعت کی خدمت بھی انجام دی، جیسا کہ اس کی تفصیلات راقم کی مرتبہ ''کتابیات فراہی'' (ادارہ علوم القرآن، سرسید نگر، علی گڑھ ۱۹۹۱ء) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ ترتیب وتدوین، ترجمہ وتلخیص یا ذاتی تخلیقات کی صورت میں انھوں نے جو کچھ علمی سرمایہ چھوڑا ہے وہ زیادہ تر قرآن وسنت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بات بخوبی معروف ہے کہ مولانا فراہی ومولانا اصلاحی کی بیشتر کتابیں ورسائل قرآنیات سے متعلق ہیں۔ مرحوم نے ان میں سے متعدد کو مرتب ومدون یا اردو میں انکا ترجمہ کر کے اہل علم کو ان سے متعارف کرایا اور شائقین قرآن کو ان سے استفادہ کا موقع فراہم کیا۔ واقعہ یہ کہ دونوں مفسرینِ قرآن کی بعض اہم قرآنی تالیفات سے استفادہ مشکل ہوتا یا محدود رہتا اگر خالد مسعود صاحب نے انتہائی محنت ولگن سے انھیں مرتب کر کے شائع نہ کیا ہوتا یا دقیق عربی وفنی اسلوب میں لکھی گئی ان کتابوں کو سلیس اردو میں منتقل نہ کیا ہوتا۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم علمی ودینی خدمت ہے۔ تیسرے یہ کہ انھوں نے اپنی تحریروں میں وہی علمی انداز اور عصری اسلوب اختیار کیا ہے جو ان کے مرشد گرامی کی تحریروں کا خاصہ تھا۔ چوتھے یہ کہ مرحوم نے مختلف موضوعات پر کتب ومضامین واداریے تحریر کیے اور ان سب میں بنیادی رہنمائی قرآن کریم سے حاصل کی۔ بالفاظ دیگر تحریروں میں قرآنی فکر کی عکاسی ان کی امتیاز شان تھی۔ پانچویں یہ کہ مرحوم کی تحریروں میں اجتہادی فکر کی بھی ترجمانی ملتی ہے جو مکتبہ فراہی کا ایک امتیاز رہا ہے اور اس مدرسہ کی ایک قدیم روایت رہی ہے جس کے وہ معنوی طالب علم تھے۔ انھوں نے اپنے استاد کی بعض آراء وتحقیقات سے بھی اختلاف کیا ہے لیکن مہذب انداز میں اور دلائل کی بنیاد پر۔

جناب خالد مسعود صاحب کی مرتبہ، مصنفہ ومترجمہ کتب میں زیر بحث موضوع کی مناسبت سے چند کا تعارف یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے مولانا فراہی کی جن کتابوں کی انھوں نے اردو میں تلخیص وترجمانی پیش کی ان میں دو (تفسیر قرآن کے اصول اور حکمتِ قرآن) خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے ہندوستانی علماء میں مولانا حمید الدین فراہی مفسر قرآن و ماہر علوم قرآنی کی حیثیت سے کافی مشہور ہیں۔انھوں نے اصول تفسیر کے مختلف پہلوؤں سے اپنی عربی تفسیر کے مقدمہ میں بحث کی ہے۔اس کے علاوہ اس موضوع پر عربی میں متعدد رسائل بھی تحریر کیے جو دلائل النظام ، اسالیب القرن و التکمیل فی اصول التاویل کے نام سے پہلے علیحدہ علیحدہ اور بعد میں رسائل الامام الفراھی فی علوم القرآن کے عنوان سے یکجا دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر سے شائع ہوئے۔مرحوم نے ان چاروں رسائل کے مباحث کو اردو میں اس طرح مرتب کردیا ہے کہ یہ ایک مستقل کتاب بن گئی جسے انھوں نے تفسیر قرآن کے اصول" کے نام سے موسوم کیا (اس کتاب کا تفصیلی تعارف اسی شمارہ میں "کتاب نما" کے کالم میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔)

قرآنیات سے متعلق جناب خالد مسعود صاحب کی دوسری اہم خدمت مولانا فراہی کے دو غیر مطبوعہ، غیر مرتبہ ونامکمل عربی رسائل (حکمۃ القرآن اور النظام فی الدیانۃ الاسلامیۃ) کی اردو ترجمانی وترتیب ہے۔یہاں واضح رہے کہ مولانا فراہی اپنی عربی کتاب حکمۃ القرآن کو چار حصوں میں تقسیم کرکے لکھنا چاہتے تھے لیکن وہ صرف تین حصے مکمل کرسکے۔اس کا تیسرا حصہ جو بقول مترجم گرامی پہلے رسالہ سے متعلق ہے دین اسلام کے بنیادی امور، ان کے اندرونی نظام، باہمی تعلق اوران کی حکمت سے بحث کرتا ہے۔مولانا فراہی نے اس کا نام (النظام فی الدیانۃ الاسلامیۃ) رکھا۔اس طرح اس کی حیثیت ایک الگ رسالہ کی معلوم ہوتی ہے۔بہر حال خالد مسعود صاحب نے ان دونوں کے متن کے ترجمہ کو "حکمت قرآن" کے تحت جمع کردیا ہے انھوں نے اپنے ذوق کے مطابق اس کے مشتملات کو دو بڑے حصوں، ۱۸ ابواب اور متعدد ذیلی

سرخیوں میں تقسیم کیے جس سے اس کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔اس کے ابواب اس طور پر ہیں (۱) حکمت کا مفہوم (۲) حکمت کی اصل اور اس کی فرع (۳) حکمت کی تعلیم اور اس کا حصول (۴) حکمت اور قرآن حکیم (۵) حکیم کا طرزفکر و تعلیم (۶) دین اسلام کا نظام (۶) مذاہب پر غور کا طریقہ (۷) دین اسلام کی بنیادیں۔ کتاب کے شروع میں ''امام فراہی کا تصور حکمت'' کے عنوان سے فاضل مترجم کا رقم کردہ ایک طویل مقدمہ ہے جو اس کے مباحث کو سمجھنے کے لئے بہت مفید ہے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ''الحکمة'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔بعض جگہوں پر '' الکتاب و الحکمة'' ایک ساتھ مذکور ہے، کہیں کہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے الحکمة کے نازل کرنے یا وحی کرنے کا ذکر ملتا ہے۔اس لفظ سے قرآن کی کیا مراد ہے '' الکتاب و الحکمة'' میں حکمۃ کا کیا مدلول ہے۔قدیم وجدید علماء بالخصوص مفسرین کے مابین اس لفظ کے مفہوم کی تعیین میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سیاق میں حکمتِ قرآن سے متعلق مولانا فراہی کی تفصیلی بحث اور اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال بڑی اہمیت کا حامل ہے۔اس کے اردو ترجمہ کے ذریعہ خالد مسعود صاحب نے شائقین قرآن کو ایک قیمتی ومفید بحث سے روشناس کرایا جو بجا طور پر ان کی قرآنی خدمات کا ایک اہم جز ہے۔اس کی اہمیت اس وجہ سے اور زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اصل کتاب ابھی مسودہ کی صورت میں ہے اور اگر عربی مسودہ چھپ بھی گیا ہوتا تو اردو داں طبقہ کے لئے اس سے استفادہ آسان نہ تھا۔

اس کتاب کے مباحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مولانا فراہی کی نظر میں ''حکمت'' سے مراد وہ قوت یا صلاحیت ہے جس کی بدولت ایک شخص صحیح فیصلہ کرسکتا ہے حکمت درحقیقت ایک نور ہے جس کی روشنی میں صاحب حکمت خیر وشر اور حسن وقبح دونوں کا ادراک کرلیتا ہے۔ان کے نزدیک حکمت سب سے پہلے انسان کے دل میں بطور بصیرت ظاہر ہوتی ہے دل منور ہوتا ہے تو اس کا اثر کلام پر پڑتا ہے وہ حق بات کہتا، نیکی کی تعلیم دیتا اور بدی سے روکتا ہے۔اس کے بعد حکمت اس کے عمل سے ظاہر ہوتی ہے تو وہ اخلاق فاضلہ اختیار کرلیتا ہے اس طرح اس کے علم وعمل میں کامل مطابقت

ہوجاتی ہے۔ گرچہ مولانا فراہیؒ نے یہ وضاحت کی ہے کہ حکمت اکتسابی نہیں ہے بلکہ یہ عطیہ الٰہی ونعمت خداوندی ہے لیکن وہ ان ذرائع کی نشاندہی کرتے ہیں جنھیں اختیار کرکے ایک شخص اس کی توفیق طلب کرسکتا ہے یا اس کا مستحق بن سکتا ہے۔ ان میں سب سے اہم دل کا خشوع ہے جسے وہ دل میں حکمت کے داخل ہونے کا دروازہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں جس شخص کا دل خشیت سے معمور رہتا ہے اس میں یہ احساس اجاگر ہوتا ہے کہ یہ دنیا ایک عظیم مقصد کے تحت وجود میں آئی ہے، اللہ تعالیٰ پاک وبرتر ہے اور عادل ہے اور انسان غلطی کرتا ہے، صحیح راہ سے بھٹک جاتا ہے اور نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس احساس سے اس کے دل میں خشیت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ اپنے آپ کو خواہشات نفس کی پیروی سے باز رکھتا ہے اور جلوت وخلوت دونوں میں وہ اپنے کو احکام الٰہی کا پابند بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر اس کا قلب صاف وشفاف ہوکر حکمت کے نور سے روشن ہوجاتا ہے اس کے علاوہ اور چیزیں جو اس عطیہ کا اہل و مستحق بناتی ہیں وہ ہیں ذکر الٰہی، تلاوت قرآن اور مخلوق خدا کے ساتھ محبت وشفقت اور ہمدردی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حصولِ حکمت کے لئے ان ذرائع کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے مولانا فراہی نے اس نکتہ پر خاص زور دیا ہے کہ اس کے حصول میں کامیابی کلی طور پر اللہ رب العزت کی توفیق پر منحصر ہے سچ بات یہ ہے کہ اس کے حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے سوائے طلبِ توفیق ایزدی کے۔

اس کتاب کا ایک مفید پہلو یہ بھی ہے کہ قرآنی اصطلاح ''الحکمة'' سے بحث کرتے ہوئے مصنف گرامیؒ نے دوسرے علماء ومفسرین کے نتائج فکر بھی پیش کیے ہیں۔ انھوں نے ان علماء سے اختلاف کیا ہے جو قرآن کریم میں مذکور ''الکتاب والحکمة'' سے قرآن وحدیث مراد لیتے ہیں۔ انھوں نے اس کے خلاف متعدد دلائل دیے ہیں ان میں دو اہم یہ ہیں: اول یہ کہ قرآن میں ''الحکمة'' کے لئے انزل اوحیٰ ویتلیٰ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں دوسرے قرآن نے خود اپنے بیان کردہ اصول وحقایق کو حکمت سے تعبیر کیا ہے جس سے

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکمت کو بہر حال قرآن سے باہر کی کوئی چیز سمجھنا صحیح نہیں ہے گرچہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حدیث میں بھی حکمت کی باتیں ملتی ہیں اور اس سے حکمتِ قرآن کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔ ''حکمت قرآن'' جو ۱۴۱ صفحات پر مشتمل ہے پہلی بار ۱۹۹۵ء میں فاران فاؤنڈیشن، فیروز پور، روڈ، اچھرہ، لاہور سے شایع ہوئی تھی۔ بعد میں یہ دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڈھ کے زیر اہتمام بھی طبع ہوئی ہے۔

علم قرآن سے متعلق مولانا فراہی کی ایک عربی تالیف (جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا) ''اسالیب القرآن'' ہے۔ مرحوم نے اس کا بھی اردو ترجمہ کیا تھا جو قسط وار رسالہ تدبر میں شایع ہو چکا ہے وہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس کو کتابی صورت میں مرتب کرر ہے تھے کہ وقت موعود آ گیا۔ توقع ہے کہ ادارہ تدبر قرآن وحدیث میں ان کے جانشین حضرات اس کتاب کی تکمیل واشاعت کو اولین ترجیح دیں گے تاکہ مرحوم کی یہ قرآنی خدمت بھی جلد منظر عام پر آجائے اور قرآنیات کے طلبہ و محققین اس سے مستفید ہو سکیں۔ یہاں یہ ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا فراہی کا ایک مختصر مگر قیمتی غیر مطبوعہ رسالہ ''حجج القرآن'' کے نام سے ہے۔ جناب خالد مسعود صاحب نے اس کی اردو تخلیص ''قرآن کا طرز استدلال'' کے عنوان سے کی تھی جو تدبر (سلسلہ نمبر ۳۱، مارچ ۱۹۹۰ء) میں شایع ہو چکی ہے۔

اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ قرآنیات سے متعلق مولانا فراہی کے بعض عربی مسودات و ناتمام تحریروں کی صورت میں اپنے استاد کی سپرد کردہ امانت کو جناب خالد مسعود مرحوم نے خوش اسلوبی سے نبھایا اور ان کی ترتیب و تدوین اور اردو ترجمانی واشاعت میں بڑی دلچسپی وسرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح انھوں نے اپنے استاد مکرم کی نگارشات وخطبات کو مرتب و مدون کرنے، انہیں بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے اور ان سے استفادہ کو آسان کرنے کی خدمت بحسن وخوبی انجام دی اور اس ضمن میں بلا تکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے شاگردی کا حق ادا کر دیا۔ دبستان اصلاحی کے خوشہ چیں و معروف اسکالر جناب جاوید غامدی صاحب کا یہ تاثر اسی حقیقت کا آئینہ

دار ہے کہ ''ان کی طلب، ان کے شوق، ان کی ہمت اوران کی ساری کدوکاوش کا محور ومرکز یہی تھا کہ جو کچھ (استاذ کی جانب سے) کہا جارہا ہے اس کو سمجھ لیا جائے اور جب سمجھ لیا جائے تو اسے دنیا تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔'' مولانا اصلاحی کی نسبت سے ان کی مرتبہ کتب میں مقالات اصلاحی (جلد اول)، تفہیم دین، فلسفہ کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں، تدبر حدیث۔ شرح صحیح بخاری، تدبر حدیث۔ شرح موطا امام مالک (جلد اول) اور تلخیص تفسیر تدبر قرآن کافی معروف ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس عظیم واہم کام کی انجام دہی میں مرحوم کو ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے رفقاء کرام کا بھرپور تعاون حاصل رہا ہے۔ مذکورہ بالا کتب میں سے بیشتر میں قرآن وعلم قرآن سے متعلق مباحث ملتے ہیں لیکن زیر بحث موضوع کے اعتبار سے موخر الذکر سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس کا مختصر تعارف ذیل میں دیا جارہا ہے۔

یہ بات بخوبی معروف ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی کی معرکۃ آراء تفسیر تدبر قرآن نو جلدوں پر مشتمل ہے جو تقریباً چھ ہزار صفحات میں پھیلی ہوئی ہے، عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ افادۂ عام کی خاطر مولانا اصلاحی کا ترجمۂ قرآن تفسیر سے الگ کرکے مع مختصر حواشی علیحدہ ایک جلد میں شایع کیا جائے۔ اس مبسوط تفسیر کا حواشی کی صورت میں اختصار بڑا مشکل ودقت طلب کام تھا۔ اسے بھی ان کے لایق وفایق شاگرد جناب خالد مسعود صاحب نے بطریق احسن انجام دیا۔ اس کی تلخیص قرآن حکیم۔ مع ترجمہ اور اخذ وتلخیص تفسیر تدبر قرآن کے نام سے تقریباً تین سال قبل منظر عام پر آچکی ہے جو کافی مقبول ہوئی۔ اس قیمتی مجموعہ کے مشتملات کی ترتیب یہ ہے کہ ہر صفحہ پر پہلے قرآنی آیات کا متن درج ہے اس کے نیچے مندرجہ آیات کا ترجمہ دیا گیا ہے اور پھر تفسیری نکات کی تلخیص حواشی کی صورت میں دی گئی ہیں۔ ان حواشی کے سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ سورہ نور تک کے ملخص حواشی مولانا اصلاحیؒ کی زندگی ہی میں ''تدبر'' میں بالاقساط شایع ہوچکے تھے اور انھوں نے اس کی تحسین بھی فرمائی تھی جیسا کہ تلخیص کے مقدمہ میں فاضل مرتب نے ذکر کیا ہے۔

یہ ترجمہ وتلخیص خاص طور سے ان حضرات کے لئے بہت مفید ہے جو وقت کی

کمی کی وجہ سے ''تدبر قرآن'' کا بالا ستیعاب مطالعہ نہیں کر سکتے یا اس کے طویل مباحث اخذ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ۹۹۲ صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ سب سے پہلے فاران فاؤنڈیشن، لاہور سے ۲۰۰۰ء میں شایع ہوا تھا۔ ابھی جلد ہی البلاغ پبلیکیشنز، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی سے اسکا ہندوستانی ایڈیشن نکلا ہے۔

اوپر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مولانا فراہی و مولانا اصلاحی کی کتابوں کی ترتیب و تدوین اور اردو ترجمانی و تلخیص کے علاوہ مرحوم نے اپنی تخلیقات بھی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں انکی آخری تصنیف ''حیات رسول ﷺ'' خصوصی ذکر کی مستحق ہے۔ گرچہ یہ سیرت کی کتاب ہے لیکن اپنے منفرد مخصوص انداز (قرآن کریم کو سیرت نبویؐ کے اولین و اہم ترین ماخذ کی حیثیت دینے) کی وجہ سے اسے بجا طور پر مصنفِ محترم کی قرآنی خدمات میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

اس سے قبل یہ ذکر آ چکا ہے کہ جناب خالد مسعود صاحب نے اپنے استاد کے استاد کی اس فکر کو اپنے اندر پوری طرح رچا بسا لیا تھا کہ قرآن تمام علوم کا مرکز و محور ہے۔ وہ ہر چیز پر حاکم ہے اور تمام علوم اس کے تابع ہیں۔ یہ بات بھی واضح کی جا چکی ہے کہ اس فکر سے متاثر ہو کر انھوں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کے لئے بنیادی رہنمائی قرآن سے حاصل کی اور زیر تعارف کتاب اس کا بہترین نمونہ ہے۔ سیرت کی یہ کتاب اصلاً قرآن کریم پر مبنی ہے۔ اس کے ذریعہ انھوں نے سیرت نگاری کو ایک نیا رخ اور نیا منہج عطا کیا۔ اس سے انکار نہیں کہ سیرت نبویؐ مرتب کرتے وقت دوسرے سیرت نگاروں نے بھی قرآن سے استفادہ کیا ہے لیکن عام طور پر انھوں نے محض آیات نقل کی ہیں سیرت نگاری یعنی سیرت کے واقعات کی ترتیب و ترجمانی اور ان سے اخذ نتائج میں قرآن سے بہت کم مدد لی ہے۔ اسی طرح سیرت کے کسی پہلو یا واقعہ سے متعلق اختلاف روایات کی صورت میں قرآن کی روشنی میں اسے حل کرنے کی کم ہی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تالیف سے جناب خالد مسعود صاحب نے یہ ثابت کر دیا کہ سیرت نبویؐ کا سب سے اہم ماخذ قرآن کریم ہے نہ کہ روایات و آثار۔ کتاب کے مقدمہ (ص ۱۱) میں وہ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن پڑھیے تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی ذات وصفات، آپ کی بعثت کے کوائف، دعوت دین کے مراحل، ہجرت، جنگوں کے واقعات، مشرکین اور یہود کے ساتھ اہم بحثوں اور حضور کی زندگی سے متعلق دیگر موضوعات کا بیان ملتا ہے۔ایک آدمی قرآن کا مطالعہ غور سے کرے تو وہ سیرت النبیؐ کے تمام ضروری مباحث سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔اسی لیے یہ بات علمی حلقوں میں مانی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات پاک یا سیرت کا سب سے اہم ماخذ قرآن مجید ہے۔اس کے بعد احادیث صحیحہ اور اولین کتب سیرت کا مطالعہ اس کے ماخذ کی حیثیت سے رہنمائی دیتا ہے۔اس اعتراف کے باوجود عملاً یہ دیکھا گیا ہے کہ حضورؐ کے جدید سیرت نگاروں نے ماضی میں لکھی گئی کتب سیرت ہی پر اعتماد کیا ہے۔جن لوگوں نے قرآن سے استفادہ کیا ہے وہ بالعموم محض آیات کو نقل کر دیتے ہیں۔ان سے سیرت نگاری میں مدد نہیں لیتے''

یہاں یہ ذکر بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ اس منفرد سیرت نگاری کی تحریک اصلاً ان کے استاد کی پیدا کردہ تھی۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۹۶۷ء کے آس پاس مولانا اصلاحی کے ایک دوست نے ان سے قرآن کی روشنی میں سیرت نبویؐ پر ایک کتاب لکھنے کی فرمائش کی، مولانا نے اس تجویز کو پسند فرمایا لیکن اس وقت تفسیر تدبر قرآن کی تکمیل میں منہمک ہونے کی وجہ سے اس کام کی انجام دہی سے معذوری ظاہر کی پھر ان صاحب نے مولانا سے دریافت کیا کہ آپ کے شاگردوں میں کوئی اس کام کو کر سکتا ہے۔مولانا نے جواب میں خالد مسعود صاحب کا نام لیا، انھوں نے کتاب کے مقدمہ (ص ۹) میں لکھا ہے کہ مولانا کے اس جواب پر میں دل ہی دل میں ہنسا کہ وہ میرے بارے میں کس قدر خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔واقعہ یہ کہ اس وقت کسی کو کیا معلوم تھا کہ اس اہم علمی و دینی خدمت کے لئے قرعۂ فال مولانا کے لائق شاگرد کے نام نکل چکا ہے اور وہ اپنی زندگی کا آخری حصہ اسی کام کے لئے وقف کر دیں گے۔بہر حال کتاب کے مشتملات پوری طرح اس بات کے شاہد ہیں کہ شاگرد نے اپنے استاد کی خواہش بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچائی اور سیرت مہبط وحی کے کے لئے وحی کو بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا، اسی نقطہ نظر کے تحت مولف گرامی نے سیرتِ سے متعلق بعض مشہور روایات کو قبول نہیں کیا

اس لئے کہ وہ قرآن کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی تھیں۔ اس ضمن میں مثال کے طور پر نبوت کے ابتدائی برسوں میں نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کی نوعیت اور غزوہ بدر کے محرکات وعوامل پر اس کتاب کے مباحث دیکھے جاسکتے ہیں۔

محسوس ہورہا ہے کہ اس آخری کتاب کو لکھتے ہوئے استادگرامی کا زاویہ فکر ان کے ذہن ودماغ پر پوری طرح چھایا ہوا تھا اور وہ ان کے تلمذ کے احساس سے گراں بار تھے یہی وجہ ہے کہ اس کے ٹائیٹل کور پر انھوں نے بہ اصرار اپنے نام کے ساتھ "تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی" لکھوایا۔ ۵۹۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جناب محمد احسن تہامی صاحب کے زیر اہتمام دارالتذکیر، اردو بازار، لاہور سے ۲۰۰۳ء میں شایع ہوئی ہے۔

جناب خالد مسعود صاحب نے مختلف طور پر قرآنی تعلیم کی اشاعت وقرآنی فکر کے فروغ میں حصہ لیا انہی میں درس قرآن میں دلچسپی اور اس کا اہتمام بھی شامل تھا۔ یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ مولانا اصلاحی سے تعلق ان کے ایک لکچر یا درسِ قرآن کی بناپر قایم ہوا جس سے متاثر ہوکر وہ ان کی جانب راغب ہوئے اور پھر ان سے استفادہ کا سلسلہ شروع کیا۔ درس قرآن مولانا اصلاحی کا نہایت پسندیدہ مشغلہ تھا۔ مولانا اصلاحی کی صحبت اختیار کرنے کے بعد اس نوع کے پروگرام میں ان کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ بعد میں وہ مولانا کے قایم کردہ "حلقہ تدبر قرآن" کے روحِ رواں بن گئے۔ ۱۹۸۰ء میں تفسیر کی تکمیل کے بعد مولانا نے اسے وسعت دے کر "ادارہ تدبر قرآن وحدیث" قایم کیا۔ اس کے خاص مقاصد یہ تھے۔ لوگوں بالخصوص جدید ذہن والوں کو قرآن وحدیث کا فہم حاصل کرنے کی جانب راغب کرنا، باصلاحیت افراد کی تیاری کے لئے عربی زبان کی اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کرنا، قرآن مجید سے متعلق اس انداز سے تحقیقی کام انجام دینا کہ وہ علوم وافکار کے لئے حق وباطل میں امتیاز کرنے والی کتاب بن جائے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جدید افکار کا جائزہ لینا، موجودہ دور کے مسائل کا تجزیہ کرکے ان کا اسلامی نقطہ نظر سے حل پیش کرنا، ان مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک رسالہ جاری کرنا اور ان کاموں کو تصانیف وتالیفات کی صورت میں منظر عام پر لانے کے لئے ایک مکتبہ کا اہتمام کرنا۔ مولانا اصلاحی اس ادارہ کے صدر اور جناب خالد مسعود اس کے ناظم منتخب ہوئے۔ اس ذمہ داری

کو انجام دیتے ہوئے انھوں نے قرآن وحدیث کی جو خدمت کی بالخصوص قرآنی علوم وافکار کی اشاعت میں جو سرگرمی دکھائی اس پر مجالسِ دروس قرآن وحدیث کی روداد، رسالہ تدبر کے مضامین داداریے اور اس ادارہ کے زیر اہتمام شایع ہونے والی کتابیں شاہد ہیں۔ اس ادارہ کی سرگرمیوں کا ایک اہم حصہ مختلف مساجد ومقامات میں درس قرآن وحدیث کا اہتمام تھا۔ مرحوم نے اس میں بھی کافی دلچسپی لی۔ آخر عمر میں مولانا اصلاحی اپنی سخت بیماری کی وجہ سے جب درس دینے سے معذور ہو گئے تو خالد مسعود صاحب نے اس سلسلہ کو جاری رکھا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے یہاں یہ وضاحت بھی اہمیت سے خالی نہ ہوگی کہ ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے زیر اہتمام درسِ قرآن دینے سے قبل وہ اپنے گھر پر اور بعض مساجد میں بھی درس دیتے رہتے تھے۔ اس سے اس دینی خدمت میں ان کی ذاتی دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے۔ جہاں تک ادارہ کے ترجمان رسالہ ''تدبر'' کے ذریعہ قرآن کی خدمت کا تعلق ہے یہاں اس کی تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے البتہ یہ ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گرچہ مرحوم کی ادارت میں اس مجلّہ میں قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، علم الکلام، سماجیات وسیاسیات جیسے مختلف موضوعات پر مضامین شایع ہوتے تھے لیکن غالب حصہ قرآنیات پر ہوتا تھا۔ مزید براں یہ بات بخوبی معروف ہے کہ مولانا فراہی ومولانا اصلاحی کی تفسیر وعلم تفسیر سے متعلق متعدد کتب کے اردو ترجمے یا ان کے ملخص مباحث پہلے تدبر میں میں قسط وار شایع ہوتے رہے اور بعد میں وہ کتابی صورت میں منظر عام پر آئے ان میں حکمت قرآن، اسالیب قرآن اصول فہم قرآن، اور تلخیص تفسیر تدبر قرآن خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مختصر یہ کہ جناب خالد مسعود صاحب نے اپنی علمی مصروفیات کا محور ومرکز قرآن کو بنایا اور وہ اپنی علمی زندگی کے آغاز سے عمر کے آخری ایام تک قرآن کی خدمت انجام دیتے رہے، صاحب زادہ انوار احمد بگوی صاحب نے ان سے متعلق اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے صحیح فرمایا ہے کہ ''امام امین احسن اصلاحی کے سینکڑوں شاگرد تھے خود علامہ خالد مسعود کے بیسیوں شاگرد تھے مگر وہ اپنے جلیل القدر استاذ امام کی مانند ہمیشہ قرآن کے طالب علم اور محقق رہے ہیں۔'' (اشراق، دسمبر ۲۰۰۳ء ص ۵۷)

اسی کے ساتھ ان کی شخصیت کا دوسرا پہلو بھی قابل قدر ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے عمل کی دنیا میں بھی قرآن مجید ہی کو اپنا محور بنایا اور اسی کی رہنمائی میں شب و روز بسر کیے جیسا کہ ان کے اقرباء واعزہ اور قریبی رفقاء کے مشاہدات وتاثرات سے واضح ہوتا ہے۔ دین داری و پرہیز گاری، صبر وشکر، قناعت ومتانت، سادگی وانکساری، خوش مزاجی ونرم گفتاری، ملنساری ومہمان نوازی، اہل خانہ واعزہ کی خبر گیری، غرباء ومساکین کی دستگیری، بے نفسی اور ریا ونمود سے دوری ان کے اوصاف حمیدہ میں شامل تھے۔ بقول جناب جاوید غامدی صاحب جو بات علامہ سید سلمان ندوی مولانا فراہی کے بارے میں کہتے تھے کہ جب ان کی صحبت میں بیٹھتے ہیں تو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان کا علم زیادہ ہے یا ان کا تقویٰ زیادہ ہے وہ بڑے اطمینان سے جناب خالد مسعود صاحب کے بارے میں کہی جاسکتی ہے (اشراق، نومبر ۲۰۰۳ء ص ۵۳)۔ ان کی بھانجی کے بیان کے مطابق:

''مقصد کی لگن، انضباط وقت، عزم وہمت، اپنے کام میں انہماک ماموں جی کی خصوصیات تھیں انہیں وقت ضائع کرنا نہیں آتا تھا ان کی زندگی تکاثر اور لہوالحدیث سے پاک زندگی تھی، حرص وطمع سے کوسوں دور تھے۔ کسی پریشانی یا تکلیف کو انھوں نے آرام طلبی کا ذریعہ نہیں بنایا...... گھر کی ضروریات پر ان کی نظر رہتی۔ ضرورت کا سودا سلف اور ہر چیز وہ خود ہی لا کر رکھ دیتے تھے جب تک ہمت رہی بازار سے لاتے رہے۔ زندگی کے آخری ایام میں بھی جہاں تک بن پڑتا یہ ذمہ داری نبھاتے رہے'' (اشراق، نومبر ۲۰۰۳ء ص ٦٦)

ان کے اوصاف میں جو چیز سب سے زیادہ جاذب نظر تھی وہ تھی ان کی سادگی وانکساری۔ علوم قرآن وحدیث میں مہارت، سیرت واسلامی تاریخ پر گہری نظر، فقہ وفلسفہ سے بخوبی واقفیت اور عربی، فارسی، اردو وانگریزی پر عبور اور جدید علوم وعصری اسلوب سے آشنائی رکھنے کے باوجود نہ علم کا زعم اور نہ فخر ومباہات، جلالت علمی کے باوصف نہ علمیت کی نمائش اور نہ غرور کا شائبہ۔ مولانا اصلاحی سے فیض یافتہ اور ادارہ تدبر قرآن وحدیث کے ایک ممتاز رکن جناب محبوب سبحانی صاحب نے صحیح لکھا ہے کہ ''راسخون فی العلم ہونے کے باوجود اکڑ وغرور نام کو نہیں تھا بلکہ عبادالرحمٰن کی طرح

عاجزی اور فروتنی تھی، شجر ثمر بار کی طرح انکسار تھا، ملنساری و خوش اخلاقی ان کی ادا تھی‘‘ (تدبر، ستمبر ۲۰۰۳ء ص ۸)۔ ناچیز کو ان باتوں کا کچھ ذاتی تجربہ بھی ہے۔ ۲۴۔ ۲۶ فروری ۱۹۹۹ء کو مدرسۃ الاصلاح میں منعقدہ مولانا امین احسن اصلاحی سیمینار کے دوران دو تین روز موصوف کا ساتھ رہا، سیمینار کی نشستوں میں ملاقات و تبادلہ خیال کے ساتھ ذاتی ملاقاتیں بھی رہیں۔ وہ بڑی محبت و اپنائیت سے پیش آتے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ برسوں کی ملاقات ہے۔ تکلف و تصنع نام کو نہ تھا تعلقات و معاملات، تحریر و تقریر ہر بات میں بڑے صبر و تحمل کا مظاہر کرتے۔ اپنی باتوں پر نقد و اعتراض کو ہنسی خوشی گوارا کرتے اور ضرورت سمجھتے تو بڑے علمی انداز و نرم لہجہ میں ان کا جواب دیتے۔ ’’تدبر‘‘ کے مولانا امین احسن اصلاحی نمبر کے لیے مجھ سے بھی مضمون لکھوایا تھا۔ اسے شایع کیا اور اس میں جو کچھ فروگذاشتیں انہیں نظر آئیں تفصیلی خط کے ذریعہ سے ان سے آگاہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرحوم ایک صاحب کردار عالم و مصنف تھے۔ انھوں نے اپنی عملی زندگی سے یہ پیغام دیا کہ اسی علم کی قدر و قیمت اور افادیت ہے جس کا تعلق عمل سے اور تقویٰ سے استوار ہو اور ایسے اصحاب علم جو اچھی سیرت، بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کے مالک نہیں ان کا علم بے وقعت ہے اور وہ بے فیض ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ جب یہ اپنے علم سے خود اپنے آپ کو فیض نہیں پہونچا سکے تو دوسروں کو کیا پہنچائیں گے۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے علمِ دین سے نوازا تھا اور انھیں اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرمائی تھی۔ اللہ رب العزت ان کی خطاؤں و لغزشوں سے درگذر فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ہم سب کو قرآن و سنت کی خدمت اور ان پر کاربند رہنے کی توفیق عنایت کرے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم.

(۳۱/دسمبر ۲۰۰۳ء)

دین میں نماز کی اہمیت قرآن کریم کی روشنی

امین احسن اصلاحی

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وآتُو الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ، اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وِالصَّلٰوۃِ وِاِنَّھَالَکَبِیْرَۃٌاِلَّاعَلَی الْخٰشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلٰقُو رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (البقرہ/۴۴۔۴۶)

(اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ کیا تم لوگوں کو وفاداری کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟ اور مدد چاہو صبر اور نماز سے اور بے شک یہ بھاری چیز ہے مگر ان لوگوں کے لئے (نہیں) جوڈرنے والے ہیں، جوگمان رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں)

ان آیات میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ نماز کا ذکر یکے بعد دیگرے دو مرتبہ آیا ہے۔ پہلے فرمایاوَاَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ وَآتوالزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (نماز قایم کرو۔ زکوۃ دو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ) پھر ایک ہی آیت کے بعد فرمایا، وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّاعَلَی الْخٰشِعِیْنَ

(اور مدد چاہو صبر اور نماز کے ذریعہ سے اور یہ چیزیں بھاری ہیں مگر ان لوگوں پر جوخدا سے ڈرنے والے ہیں)

ظاہر ہے کہ ان دونوں مواقع پر نماز کا ذکر دو مختلف پہلوؤں سے ہوا ہے۔ پہلے موقع پر اس کا ذکر اس پہلو سے ہوا ہے کہ ایمان باللہ اور اقرار توحید کے بعد یہی اس